بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

پاکستان گزشتہ کئی برس سے جن حالات سے گزر رہا ہے انہیں دیکھتے ہوئے یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اس ملک کے باشندے خداوند تعالیٰ کی رحمت کو نہیں بلکہ اس کے غضب کو دعوت دے رہے ہیں۔ سیاسی اضطراب، معاشی بدحالی، مہنگائی، غنڈہ گردی، چور بازاری، جان و مال کا زیاں، لوگوں کی عزت و آبرو پر حملے، ظالم حکمرانوں کی چیرہ دستیاں اور جابر اور خدا کے خوف سے عاری عمّالِ حکومت کی زبردست آزاریاں زندگی کا معمول بن گئی ہیں۔ چنانچہ اس ملک کا ہر فرد اپنے آپ کو شدید عذاب میں گرفتار پا رہا ہے۔

قومی سطح پر بھی ہر شخص پوری شدت سے اس بات کو محسوس کرتا ہے کہ اس قوم پر اللہ کی رحمت کا سایہ نہیں بلکہ نحوست کی پرچھائیں پڑ رہی ہیں اور اسی وجہ سے دنیا کی قوموں میں اس کی ساکھ گر گئی ہے۔ وہ بھارت جو ۱۹۶۵ء کی جنگ میں اس سے منہ کی کھا چکا تھا ۱۹۷۱ء میں اسی سے نصف ملک چھین لے گیا ہے اور دنیا میں اِس ملک کو جس احترام کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے اُس کا اندازہ اُس پذیرائی سے کیا جا سکتا ہے جو حال ہی میں وزیرِ اعظم بھٹو کے غیر ملکی دورے کے دوران مختلف ممالک میں ہوئی ہے۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ان اَن گنت مصائب و شدائد کو دیکھتے ہوئے اس امر کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مالک الملک ہم سے کسی قدر ناراض ضرور ہے۔

خداوند قدوس کی ناراضگی کا اظہار اُن آفاتِ ارضی و سماوی سے بھی ہوتا ہے جو ہم پر وقتاً فوقتاً نازل ہوتی رہتی ہیں خصوصاً حالیہ سیلاب نے اِس ملک کو جس خوفناک تباہی سے دوچار کیا ہے اُسے دیکھتے ہوئے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ خالقِ کائنات کی ناراضگی جو مختلف تنبیہات کی صورت میں گزشتہ بیس سالوں میں رونما ہوتی رہی ہے اب غضب کی شکل اختیار کرتی جا رہی ہے اور معاملہ تنبیہ اور سرزنش سے گزر کر عقوبت و عذاب تک آ پہنچا ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا خداوند تعالیٰ نے یونہی بغیر کسی وجہ کے پاکستان پر سے اپنا دستِ شفقت و رحمت ہٹا لیا ہے یا اہلِ پاکستان نے کوئی ایسی روش اختیار کی ہے جس کی وجہ سے وہ ان سے ناراض ہوا ہے۔ قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پر اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ خواہ مخواہ کسی قوم کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتا بلکہ اس کی بداعمالیوں کی وجہ سے وہ اس پر مسلط کرتا ہے:

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيمًا۔ (النساء: ۱۴۷)

آخر اللہ کو کیا پڑی ہے کہ تمہیں خواہ مخواہ سزا دے اگر تم شکرگزار بندے بنے رہو اور ایمان کی روش پر چلو۔ اللہ بڑا قدردان ہے اور سب کے حال سے واقف ہے۔

وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسَبْنَاهَا حِسَابًا شَدِيدًا وَعَذَّبْنَاهَا عَذَابًا نُكْرًا۔ فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا۔ (الطلاق: ۸-۹)

اور کتنی ہی بستیاں ہیں جنہوں نے اپنے رب اور اس کے رسولوں کے حکم سے سرتابی کی تو ہم نے ان کا سخت محاسبہ کیا اور ان کو بری طرح سزا دی۔ انہوں نے اپنے کیے کا مزا چکھ لیا اور ان کا انجام کار گھاٹا ہی گھاٹا ہے۔

جو خدا انسان کے لیے اس کے ماں باپ سے کہیں زیادہ شفیق اور رحیم ہے اور جس کی صفتِ رحمت اس کی دیگر تمام صفات پر حاوی ہے وہ ان کی چھوٹی چھوٹی غلطیوں اور فروگزاشتوں کی وجہ سے تو ان پر عذاب مسلط نہیں کر سکتا۔ وہ یہ فیصلہ اسی وقت کرتا ہے جب کسی قوم کی عظیم اکثریت جان بوجھ کر خدا سے بغاوت اور سرکشی کی راہ اختیار کرے اور بار بار کی تنبیہات کے باوجود اس روش کو چھوڑنے پر تیار نہ ہو اور مالک الملک کی نافرمانی میں زیادہ دلیر اور جری ہوتی چلی جائے اور اپنی ہر آن بڑھتی ہوئی بداعمالیوں کی بنا پر خدا کے غضب کو بھڑکائے۔ قرآنِ مجید نے اس راہ کو جس پر چل کر کوئی قوم عذابِ الٰہی میں گرفتار ہوتی ہے اپنے بلیغانہ انداز میں یوں بیان فرمایا ہے:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِنْ قَبْلِكَ فَأَخَذْنَاهُمْ بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ

تم سے پہلے بہت سی قوموں کی طرف ہم نے رسول بھیجے اور ان قوموں کو مصائب و آلام

لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ۔ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ۔ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ

(الانعام ۴۲-۴۵)

میں مبتلا کیا تاکہ وہ عاجزی کے ساتھ ہمارے سامنے جھک جائیں۔ پس جب ہماری طرف سے اُن پر سختی آئی تو کیوں نہ انہوں نے عاجزی اختیار کی؟ مگر ان کے دل تو اور سخت ہو گئے اور شیطان نے اُن کو اطمینان دلایا کہ جو کچھ تم کر رہے ہو خوب کر رہے ہو۔ پھر جب انہوں نے اس نصیحت کو جو انہیں کی گئی تھی بھلا دیا تو ہم نے ہر طرح کی خوشحالیوں کے دروازے ان پر کھول دیے یہاں تک کہ جب وہ اُن بخششوں میں جو انہیں عطا کی گئی تھیں خوب مگن ہو گئے تو اچانک ہم نے انہیں پکڑ لیا اُس وقت وہ خیر سے بالکل مایوس تھے اس طرح اُن لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی جنہوں نے ظلم کیا تھا۔

اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے بڑی جامعیت کے ساتھ ان ساری منازل کی نشاندہی کر دی ہے جو قوموں کو عذاب کی طرف لے جاتی ہیں۔ جب کوئی قوم احکامِ خداوندی کو پسِ پشت ڈالتی ہے تو اسے تنبیہ کے طور پر مختلف مصائب و آلام سے دوچار کیا جاتا ہے تاکہ وہ غلط روش سے ہٹ کر نیکی اور خدا ترسی کی راہ اختیار کرے۔ اِن مصائب کی کئی ایک صورتیں ہوتی ہیں مثلاً غلے اور پھلوں کی کمی، تند و تیز ہواؤں کا چلنا، ملک کا مختلف وباؤں کی لپیٹ میں آ جانا، آبادی پر دوسری قوموں اور سلطنتوں کی ہیبت طاری ہو جانا اور عوام کے اندر اخلاقی انحطاط اور اس سے پیدا ہونے والے دوسرے عوارض —— عذابِ الٰہی کی چھوٹی چھوٹی صورتیں ہیں جو گم کردہ راہ انسانوں کو بار بار جھنجھوڑتی ہیں کہ وہ اللہ سے بغاوت کی راہ ترک کر کے حق و صداقت کی راہ پر گامزن ہوں۔ مگر جب وہ اِن تنبیہات سے کوئی اثر نہیں لیتے بلکہ سرکشی کی راہ جسے شیطان نے غلط قسم کی دنیوی ترغیبات سے مزین کر رکھا ہوتا ہے، پر بڑی سرعت سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں تو پھر تنبیہات کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے اور اِن خدا ناشناس انسانوں کو قدرت ہر وہ چیز فراہم کرتی ہے جس سے

وہ خدا اور آخرت سے بالکل غافل ہو کر اور شیطان کے بندے بن کر زندگی بسر کرنے لگتے ہیں۔ پھر وہ علیم و خبیر ذات جب یہ محسوس کرتی ہے کہ اُن کے اندر کا جوہرِ انسانیت بالکل ختم ہو چکا ہے جس کے زیرِ اثر ان کا راہِ راست پر آنا ممکن تھا تو ان کے وجود کو اس طرح مٹا دیتی ہے کہ اُن کا نام و نشان تک باقی نہیں رہتا صرف عبرت کی داستانیں باقی رہ جاتی ہیں جن سے عبرت پکڑنے والے عبرت پکڑتے ہیں۔ کسی فرد یا قوم کے لیے خدا کی طرف سے اس سے بڑی سزا اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ اُسے اہلِ دنیا کے لیے سامانِ عبرت بنا دیا جائے۔

قرآنِ مجید نے جہاں عذابِ الٰہی کی مختلف منازل اور صورتوں کا ذکر کیا ہے وہاں اس نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ اُن اسباب کو بھی بیان فرمایا ہے جن کی وجہ سے کسی قوم پر اللہ تعالیٰ عذاب نازل کرتا ہے۔ ان صفحات میں اتنی گنجائش نہیں کہ ان سارے اسباب کا ذکر کیا جائے جو کتاب و سنت میں بیان کیے گئے ہیں۔ ہم صرف چند نمایاں اسباب بیان کرتے ہیں۔ خدا کے غضب کو انسان کا جو عمل سب سے زیادہ بھڑکاتا ہے وہ یہ ہے کہ خدا کا بندہ اس کی کائنات میں ظلم کا ارتکاب کرے۔ چنانچہ سورۂ یونس میں مذکور ہے:

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ۔

(یونس: ۱۳)

تم سے پہلے کی قوموں کو (جو اپنے اپنے زمانہ میں برسرِ عروج تھیں) ہم نے ہلاک کر دیا جب انہوں نے ظلم کی روش اختیار کی اور ان کے رسول ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے اور انہوں نے ایمان لا کر نہ دیا۔ اسی طرح ہم مجرموں کو ان کے جرائم کا بدلہ دیا کرتے ہیں۔

اہلِ لغت کے نزدیک ظلم کے معنیٰ ہیں وضع الشیءِ علی غیرِ محلہٖ یعنی کسی چیز کو اس کے اصلی مقام پر نہ رکھنا خواہ کمی یا زیادتی کر کے یا اسے اس کے صحیح وقت یا اصلی جگہ سے ہٹا کر۔ اسی سے ظَلَمْتُ السِّقَاءَ کا محاورہ ہے جس کے معنیٰ ہیں مشکیزہ میں دودھ جمنے کے لیے رکھا اور دہی بننے سے پہلے ہی پی لیا۔ ایسے دودھ کو ظلیم کہتے ہیں اسی طرح عربی میں ظلمتُ الارض کہا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے زمین کو ایسے مقام سے کھودا جہاں سے اسے کھودنا نہیں چاہیے تھا اس قسم کی زمین کو مظلومہ کہا جاتا ہے۔ لفظِ ظلم کے معنیٰ کی

دستوں کو اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ادائے حقوق میں ہر قسم کی کمی بیشی خواہ وہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد یا خود انسان کے اپنے جسم و جان کے حقوق —— ظلم کے دائرے میں آتی ہے۔ انسان کا اس سے بڑا جرم کوئی اور نہیں ہو سکتا کہ وہ شعور و وقوف کی قوتوں سے بہرہ مند ہونے کے باوجود جادۂ مستقیم سے ہٹ کر ظلم کی راہ اختیار کرے۔ یوں تو ہر گناہ اور ہر جرم پورے معاشرہ پر اثر انداز ہوتا ہے مگر ظلم ایک ایسا گناہ ہے جس سے نہ صرف پورے معاشرے کا توازن بگڑ جاتا ہے بلکہ انسان اور خالق کے مابین، انسان اور انسان کے درمیان اور انسان اور کائنات کے درمیان فطرت نے جس قدر رشتے قائم کر رکھے ہیں وہ زیر و زبر ہونے لگتے ہیں۔ خالق کائنات اس زبردست بگاڑ کو کب تک گوارا کر سکتا ہے۔ چنانچہ جب کسی قوم کی بھاری اکثریت ظالمانہ روش اختیار کر لیتی ہے تو پھر اس پر عذاب مسلط کر کے یا تو دنیا سے محو کر دیا جاتا ہے یا اس کی قوت کو اس انداز سے منتشر کیا جاتا ہے کہ وہ قوم دنیا میں بالکل بے وزن ہو کر رہ جاتی ہے اور اجتماعی زندگی کے کسی چھوٹے سے چھوٹے دائرے میں بھی اس کا کوئی اثر یا عمل دخل باقی نہیں رہتا اور دنیا کی زمام کار ان لوگوں کو سونپی جاتی ہے جو ظلم کی راہ چھوڑ کر اور ظلم اور ناانصافیوں کے اثرات کو مٹا کر انفرادی اور اجتماعی زندگی کو حق و صداقت کی بنیاد پر استوار کرتے ہیں۔

ظلم ہی کی ایک دوسری صورت جس سے اللہ تعالیٰ کا غضب جوش میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کی آیات کو جھٹلایا جائے۔ اسی سلسلے میں قرآنِ مجید کا ارشاد ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ. كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ۔

(الانفال: ۵۳-۵۴)

اللہ کسی نعمت کو جو اس نے کسی قوم کو عطا کی ہو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ قوم خود اپنے طرزِ عمل کو نہیں بدل دیتی۔ اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ آلِ فرعون اور ان سے پہلے کی قوموں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا وہ اسی ضابطہ کے مطابق تھا انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا تب ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں انہیں

ہلاک کر ڈالا اور آلِ فرعون کو غرق کر دیا۔ یہ سب ظالم لوگ تھے۔

ائمۂ لغت نے لفظِ آیت کے اشتقاق کے بارے میں تو اختلاف کیا ہے مگر اس بارے میں سب متفق ہیں کہ اس لفظ کا اطلاق روشن اور واضح نشانی پر ہوتا ہے جسے جھٹلانے کے لیے بجز ہٹ دھرمی کے اور کوئی وجہ نہیں ہوتی قرآن مجید میں یہ لفظ آیاتِ قرآنی کے لیے بھی مستعمل ہوا ہے اور ان نشانیوں کے لیے بھی جو انفس و آفاق میں پھیلی ہوئی ہیں مثلاً سورہ العنکبوت میں ہے:

بَلْ هُوَ آيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ۔ (العنکبوت: ۴۹)

بلکہ یہ روشن آیتیں ہیں جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے ان کے سینوں میں (محفوظ) اور ہماری آیتوں سے وہی لوگ انکار کرتے ہیں جو ظالم ہیں۔

اسی طرح سورۂ یوسف میں آیات کا لفظ اُن روشن دلائل کے لیے استعمال کیا گیا ہے جو انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے خالقِ کائنات نے آسمان اور زمین میں قدم قدم پر پھیلا رکھی ہیں۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ (یوسف: ۱۰۵)

زمین اور آسمانوں میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے یہ لوگ گزرتے رہتے ہیں اور ذرا توجہ نہیں دیتے۔

جس طرح ایک فرد فضائے بسیط میں ہر طرف پھیلے ہوئے نور کا اگر انکار کر دے تو اس کے بارے میں دو ہی راہیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو وہ آنکھوں سے یکسر اندھا ہے کہ سورج کی روشنی کو دیکھ نہیں پاتا یا پھر وہ پرلے درجے کا ضدی اور ہٹ دھرم ہے کہ ایک واضح اور روشن چیز کا ڈھٹائی سے انکار کر رہا ہے۔ جب کسی قوم میں عقل کے اندھے اور نیت کے کھوٹے افراد کی کثرت ہو جائے اور یہی لوگ معاشرے میں سیاہ و سفید کے مالک ہوں تو اس معاشرے کا وجود دنیا اور اہلِ دنیا کے لیے موجب خیر و برکت نہیں رہتا بلکہ پریشانی اور مصیبت کا باعث بن جاتا ہے۔ اس کے وجود سے حق اور اس کی قوتوں کو نقصان پہنچتا ہے اور باطل اور اس کی قوتوں کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوتا ہے۔ اس صورتِ حال سے اُن ساری اقدار کو شدید صدمہ پہنچتا ہے جن کے بل بوتے پر انسان بحیثیت انسان دنیا میں زندہ رہتا ہے جب اللہ تعالیٰ ان اقدار کو شدید خطرے میں گھرا ہوا پاتا ہے تو پھر جو لوگ انہیں تباہ و برباد

کرنے کے درپے ہوتے ہیں اُن کی قوت کو توڑنے کا التزام کرتا ہے کیونکہ وہ یہ کبھی گوارا نہیں کر سکتا کہ انسانیت کا وجود ہی صفحۂ ہستی سے مٹ جائے۔ انسانیت کو بچانے کے لیے اگر اسے چند سو یا چند ہزار یا چند لاکھ انسان نما شیاطین کو ختم کرنا پڑے تو وہ کر ڈالتا ہے اور انسانیت اور اس کی بنیادی اقدار کو بہر طور بچاتا ہے۔

خدا کے غضب کو بھڑکانے والے اِن دو اسباب کے علاوہ تیسرا سبب یہ ہے کہ انسان خدا کی عطا کردہ نعمتوں کے بارے میں شکر گزاری کا رویہ اختیار کرنے کے بجائے ناسپاس گزاری کا مذموم طرزِ عمل اختیار کرے مثلاً اگر کسی شخص کی صحت خراب ہو اور شافیٔ مطلق اسے شفائے کامل سے بہرہ ور کر دے تو وہ اس ذات کی اطاعت و فرمانبرداری اور اس کی بارگاہ میں سجدۂ شکر بجالانے کے بجائے اپنی صحت کو ان کاموں میں تباہ کرنے لگے جو قادرِ مطلق کی نگاہ میں سخت ناپسندیدہ ہوں۔ اسی طرح غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی اور معاشی بدحالی میں گرفتار کوئی قوم اگر خداوند تعالیٰ سے آزادی اور معاشی خوشحالی کی طالب ہو اور اس سے یہ وعدہ کرے کہ غلامی کے بندھن ٹوٹنے اور معاشی بدحالی دور ہونے کی وجہ سے اسے دنیا میں جو اقتدار اور قوت و طاقت نصیب ہوگی وہ اسے حق و صداقت کا علم بلند کرنے کے لیے صرف کرے گی لیکن جب اللہ تعالیٰ اسے یہ منہ مانگی نعمتیں عطا کر دے تو پھر وہ باطل قوتوں کے ساتھ مل کر باطل کا بول بالا کرنے میں منہمک ہو جائے ایسی ناسپاس گزار، وعدہ خلاف اور باطل کی حمایت کرنے والی قوم کو اللہ تعالیٰ کس طرح مدتِ دراز تک دنیا میں سربلند رکھ سکتا ہے۔ وہ اصلاح احوال کے لیے مناسب مدت تک موقع ضرور دیتا ہے مگر جب اس کی روش میں کوئی تبدیلی نہیں آتی تو پھر عزت و سربلندی کے مقام سے ہٹا کر ذلت و پستی کے مہیب غاروں کی طرف دھکیل دیتا ہے اور خوشحالی کے بجائے اُن پر افلاس و مسکنت مسلط کر دی جاتی ہے۔ سورۂ سبا میں کفرانِ نعمت کے نتیجے میں آنے والے عذاب کا خاص طور پر ذکر موجود ہے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتَانِ	سبا کے لیے ان کے اپنے مسکن ہی میں ایک نشانی موجود تھی دو
عَن يَمِينٍ وَشِمَالٍ ۖ كُلُوا مِن رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَ	باغ دائیں اور بائیں۔ کھاؤ اپنے رب کا دیا ہوا رزق اور شکر
اشْكُرُوا لَهُ ۚ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ	بجالاؤ اس کا۔ ملک ہے عمدہ و پاکیزہ اور پروردگار ہے بخشش
فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ	فرمانے والا۔ مگر وہ منہ موڑ گئے آخر کار ہم نے ان پر بند توڑ
(سبا: ۱۵-۱۶)	سیلاب بھیج دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہوئے خداوند تعالیٰ کی یہ عظیم نعمت یاد دلائی جو انہیں فرعون کی غلامی سے نجات دلانے کے سلسلہ میں عطا کی گئی اور جس کے حصول کے بعد ان سے اس بات کی بجا طور پر توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ اس خوفناک عذاب سے بچ نکلنے کے بعد اللہ کے اطاعت گزار بندے بن کر زندگی بسر کریں گے (باقی بر صفحہ ۴۶ پر)

اور حج میں تفریق روا ہے بلکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کلمۂ طیبہ، نماز، روزہ اور حج کی جگہ تنہا لفظ نماز بولنا کافی سمجھا ہے کہ یہ سب بدنی عبادتیں ہیں جبکہ زکوٰۃ مالی عبادت ہے۔ حضرت صدیق اکبر کا مطلب یہ ہے کہ جس خدا کے حکم سے یہ بدنی عبادتیں انسان پر فرض ہوئی ہیں اسی خدا نے مالی عبادت (زکوٰۃ) کو بھی واجب ٹھہرایا ہے لہٰذا اگر زکوٰۃ کا انکار کیا جائے تو باقی عبادات کا آپ سے آپ انکار لازم آتا ہے۔ عرض کرنے کا منشا یہ ہے کہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نزدیک ادائے زکوٰۃ سے انکار اسلام سے انحراف و ارتداد کے مترادف تھا اس لیے آپ نے مانعین زکوٰۃ کے خلاف بلا تامل اعلانِ جنگ کر دیا جس پر بالآخر تمام صحابہ کرام نے اتفاق کیا۔

۲۔ اگر ایک لحظہ کے لیے فرض کر لیا جائے کہ زکوٰۃ بھی دوسرے محاصل کی طرح ایک سرکاری محصول ہی تھا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دنیا کی کونسی ایسی حکومت ہے جو محض کسی محصول کے ادا نہ کرنے پر اپنے شہریوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیتی ہو۔ محصول ادا نہ کرنے پر انہیں جرمانہ کیا جا سکتا ہے ان کی جائداد ضبط کی جا سکتی ہے یا پھر انہیں قید و بند کی صعوبتوں میں مبتلا کیا جا سکتا ہے ان کے ساتھ جنگ کرنے کی ضرورت آج تک دنیا کی کسی حکومت نے محسوس نہیں کی۔

مانعین زکوٰۃ کے سلسلہ میں خلیفہ اوّل نے جو رویہ اختیار کیا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جس سے کامل اتفاق کیا اور بعد ازاں تابعین عظام اور آئمہ دین نے جسے تعلیماتِ دین کے عین مطابق قرار دیا اس سے ہمارے اس موقف ہی کی تائید ہوتی ہے کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے چاہے وہ خدا کی توحید اور رسول کی رسالت کا انکار کر کے مرتد ہوا ہو یا ادائے زکوٰۃ کا انکار کرے۔ (باقی)

(بقیہ صفحہ ۸)

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنجَاكُم مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ۚ وَفِي ذَٰلِكُم بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ۝ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ ۖ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ۝

(ابراہیم: ۶-۷)

یاد کرو جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا: اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ اس نے تم کو آلِ فرعون سے نجات دلائی جو تم کو سخت تکلیفیں دیتے تھے تمہارے لڑکوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ بچا رکھتے تھے اس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی اور یاد رکھو تمہارے رب نے خبردار کر دیا تھا کہ اگر تم شکر گزار بنو گے تو میں تم کو اور زیادہ نوازوں گا اور اگر کفرانِ نعمت کرو گے تو میری سزا بہت سخت ہے۔

کسی قوم کا لین دین اور ماپ تول میں کمی بیشی کرنا، دھوکے اور فریب سے بندگانِ خدا کو لوٹنا اور ایسی چالیں چلنا جن سے دوسروں کے مفادات کو نقصان پہنچا کر اپنا الو سیدھا کرنا ممکن ہو ـــــ یہ سب امور بھی غضبِ الٰہی کو دعوت دینے والے ہیں اور ان جرائم کے مرتکب افراد ہوں یا اقوام اللہ کے عذاب کی لپیٹ میں آنے سے انہیں کوئی طاقت بچا نہیں سکتی۔ غور سے سنیئے حضرت شعیبؑ اپنی قوم کو کن امور پر متنبہ فرما رہے ہیں۔

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّىْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ۔ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاۗءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۔ (ہود: ۸۴-۸۵)

فرمایا اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور ماپ اور تول میں کمی نہ کرو۔ آج میں تمہیں آسودہ حال دیکھتا ہوں مگر تمہارے بارے میں ایک گھیر لینے والے دن کے عذاب سے بہت ڈرتا ہوں۔ اور اے میری قوم ماپ اور تول انصاف کے ساتھ پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دو اور نہ زمین میں فساد مچاتے پھرو۔

اسی طرح کسی قوم میں فسق و فجور اور فواحش کا فروغ بھی اُس کو خدا کے غضب کا مستحق بنا دیتا ہے۔ قوم لوط کو پتھروں کی بارش برسا کر جس بری طرح تہس نہس کر دیا گیا تھا اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ اس قوم کے افراد سرِ عام برائی اور بے حیائی کے کام کرتے تھے نتیجۃً اللہ کا عذاب اِس خوفناک طریقے سے بھڑکا کہ اُس کے بھیانک پن کا اندازہ آج بھی اس علاقے کے کھنڈرات اور آثار و شواہد کو دیکھ کر لگایا جا سکتا ہے۔

اِن صفحات میں عذابِ الٰہی کے نزول کے اسباب کی نشاندہی سے ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ اہلِ پاکستان اس باب میں اللہ کی سنت کو اچھی طرح جان لیں اس لیے کہ جن جرائم کی بدولت پہلی قومیں تباہ و برباد کر دی گئی ہیں اگر ان جرائم کا ارتکاب آج کوئی قوم کرتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اللہ کے احتساب اور گرفت سے بچ جائے وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔ ہمیں اس آئینے میں اپنا چہرہ دیکھنا چاہیئے اور پھر سوچنا چاہیئے کہ سقوطِ مشرقی پاکستان، افواجِ پاکستان کی اسارت، گرانیٔ معیشت، جنگ اور موجودہ سیلابِ بلا خیز جیسے ہولناک مصائب ہم پر کیوں پے در پے نازل ہو رہے ہیں فاعتبروا یا اولی الابصار۔

آخر میں ہم مختصر طور پر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ عذابِ الٰہی کے ٹلنے کی صورت کیا ہے؟ اس معاملے میں کتاب اللہ ہماری پوری پوری رہنمائی کرتی ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ کامل جذبۂ عجز و انکساری اور اعترافِ گناہ کے ساتھ اس

رہنمائی کو قبول کریں اور اس پر عمل پیرا ہو جائیں۔

وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ○ (الزمر: ۵۴)

اور اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو اور اس کے فرمانبردار بن جاؤ اس سے پیشتر کہ تم پر عذاب آئے۔ پھر کوئی تمہاری مدد کو نہ پہنچے گا۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔ (الاعراف: ۹۶)

اور اگر مختلف بستیوں کے باشندے ایمان لے آتے اور پرہیز گار بن جاتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی نعمتوں کے دروازے کھول دیتے لیکن انھوں نے جھٹلایا تو ہم نے ان کو ان کے اعمال کی پاداش میں پکڑ لیا۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۔ (الانفال: ۳۳)

اور اللہ ہرگز ان پر عذاب نہ بھیجتا جب تک آپ ان کے درمیان رہتے اور اللہ ہرگز ان پر عذاب نازل نہ کرے گا جب تک وہ معافی مانگتے رہیں۔

ان آیات کے مطالعہ سے واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ توبہ و انابت اور رجوع الی اللہ عذابِ الٰہی کو دفع کرنے والے اعمال ہیں۔ اسی طرح خدا اور رسول اور یوم آخرت پر ایمان لانا، کتابِ الٰہی کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا اور پرہیزگاری و خداترسی کی زندگی بسر کرنا بھی ذاتِ حق کی رضا اور خوشنودی کا باعث ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان اوصاف کی حامل قوموں پر زمین و آسمان کے رزق کے خزانے کھول دیتے ہیں اور خوشحالی و فارغ البالی کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ نیز کسی قوم میں اللہ کے پیغمبر کا وجود بھی باعثِ رحمت ہوتا ہے اور اس وجودِ مقدس کی برکتوں سے وہ اللہ کے عذاب سے مامون و مصئون رہتی ہے۔ اسی طرح اولیاء و صلحاء اور اہل اللہ کا وجود بھی قوموں سے عذابِ الٰہی کو ٹالتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے رہنا بھی وہ موثر عمل ہے جسے اگر خلوصِ دل سے کیا جائے تو اللہ کی رحمت کو یقیناً جوش آجاتا ہے اور افراد و اقوام کی فردِ عمل چاہے وہ کتنی ہی سیاہ کیوں نہ ہو یکسر دھل جاتی ہے۔

پس ہمیں چاہیئے کہ اپنے اوپر نازل ہونے والے ان پے در پے حوادث سے بچاؤ کے لیے اللہ کی طرف رجوع کریں اس کے دین کی تعلیمات کا دامن مضبوطی سے تھام لیں اور منکرات و فواحش سے کامل اجتناب کریں۔ اُس کی بارگاہ میں سرِ نیاز جھکا کر ہر وقت توبہ و استغفار کرتے رہیں کہ صرف وہی ذات ہے جو ہمارے درد و غم کا مداوا کر سکتی ہے اور مشکل مسائلِ حیات کو حل کر کے ہمیں امن و سکون سے ہمکنار کر سکتی ہے۔ وما علینا الا البلاغ